



5272CH03

باب 3 عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

اجمالی نظر

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ سرد جنگ کے خاتمہ پر دنیا میں امریکہ کا کوئی رقیب باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کے زمانے کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے غلبہ کا زمانہ یا ایک قطبی دنیا کہا جاتا ہے۔ اس باب میں ہم اس غلبہ کی نوعیت، وسعت اور حدود کا مطالعہ کریں گے۔ ہم نئے عالمی نظام کے نمود و فروغ کی کہانی بیان کریں گے۔ پہلی خلیجی جنگ سے لے کر، عراق پر امریکہ کی قیادت میں حملہ تک کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد ہم امریکی غلبہ کی نوعیت کو بالادستی کے تصور کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ امریکہ کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد امریکہ کی جانب ہندوستان کی پالیسی کی ترجیحات اور امکاناتی راہوں کا جائزہ لیں گے۔ آخر میں یہ دیکھیں گے کہ کیا اس بالادستی کے سامنے کیا چیلنج ہیں اور آیا اس بالادستی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔



11 ستمبر 2001 میں نیویارک کے عالمی تجارتی مرکز کی جڑواں عمارتوں پر حملے کو عصری تاریخ میں ایک اہم تبدیلی کے طور پر دیکھا گیا ہے۔

پہننے تھے۔ اور کم وبیش انہیں اسباب کی وجہ سے جواب ان کا بیٹا پیش کرتا ہے۔

آندرے کی اپنی ماں سے بحث ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ جابو وہ مضمون پڑھنے پر مجبور ہو جس میں اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے برعکس عائشہ اپنی ٹانگ سے تو محروم ہو گئی لیکن خوش قسمتی سے زندہ ہے۔ ان تینوں کے مسائل ہم ایک ہی طرح سے کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں ایسا کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے، یہ تینوں کسی نہ کسی طرح امریکہ کی بالادستی سے متاثر ہوئے ہیں۔ ہم عائشہ، جابو اور آندرے سے پھر ملاقات کریں گے۔ پہلے ہم امریکہ کی بالادستی کی شروعات اور آج کی دنیا میں اس کے طریقہ کار کو سمجھ لیں۔

اس کے بعد ہم ریاست ہائے متحدہ کے لیے زیادہ مقبول لفظ 'امریکہ' استعمال کریں گے۔ یہ بہتر ہوگا کہ ہم اپنے کو یہ یاد دلاتے رہیں کہ لفظ امریکہ کے دراصل معنی دو براعظموں، شمالی اور جنوبی امریکہ کے ہیں۔ لہذا محض یونائیٹڈ سٹیٹس کے لیے لفظ امریکہ کا استعمال خود اس کے بالادستی کی نشانی ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔

نئے عالمی نظام کی ابتدا

سوویت یونین کے اچانک انتشار نے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ ایک عظیم طاقت ختم ہو گئی لیکن دوسری اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ جوں کی توں رہی بلکہ اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہی ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ امریکہ کی بالادستی 1991 میں اس وقت ظاہر ہوئی جب بین الاقوامی منظر سے سوویت یونین غائب ہو گیا۔

عائشہ، جابو اور آندرے

بغداد سے باہر ایک ہائی اسکول میں عائشہ کی پڑھائی بہت اچھی چل رہی تھی اور وہ یونیورسٹی میں ڈاکٹری پڑھنے کا پلان بنا رہی تھی۔ 2003 میں جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک فضائی حملہ کی پناہ گاہ میں تھی اس کی ٹانگ ایک میزائل کی زد میں آ گئی اور وہ ایک ٹانگ سے محروم ہو گئی۔ وہ اب پھر سے چلنا سیکھ رہی ہے، وہ اب بھی ڈاکٹر بننا چاہتی ہے لیکن تب ہی جب باہر سے آئی ہوئی فوجیں اس کے ملک کو چھوڑ دیں۔

جابو ایک نوجوان باصلاحیت فن کار ہے جو ڈربن، جنوبی افریقہ میں رہتا ہے۔ اس کی مصوری روایتی قبائلی آرٹ سے بہت متاثر ہے۔ وہ ایک آرٹ اسکول میں داخلہ چاہتا ہے اور بعد میں خود اپنا اسٹوڈیو کھولنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے والد کے خیال میں اسے MBA کرنا چاہیے اور پھر خاندانی بزنس میں شرکت کرنی چاہیے۔ بزنس کی حالت اچھی نہیں ہے اور جابو کے والد کی رائے میں MBA کرنے کے بعد جابو بزنس کو منافع بخش بنا سکتا ہے۔

آندرے بھی ایک نوجوان ہے جو پرتھ، آسٹریلیا میں رہتا ہے۔ اس کے والدین روس سے ہجرت کر کے یہاں آئے ہیں۔ جب بھی آندرے نیلی جینز پہن کر کلیسا جاتا ہے تو اس کی ماں کو بہت غصہ آتا ہے، وہ چاہتی ہے کہ آندرے چرچ میں شریف نظر آئے۔ آندرے اپنی ماں کو بتاتا ہے کہ جینز اچھی لگتی ہیں اور ان میں وہ اپنے کو کھلا کھلا محسوس کرتا ہے۔ آندرے کا باپ اپنی بیوی کو یاد دلاتا ہے کہ جوانی میں لینن گراڈ میں وہ بھی جینز



مجھے خوشی ہے کہ میں نے سائنس کے مضامین نہیں لیے ورنہ میں بھی امریکا کی قیادت کا ایک شکار ہوتا۔ کیا تم بتا سکتے ہو کیوں اور کیسے؟



ٹوٹی پھوٹی اور جلی ہوئی گاڑیوں کی یہ تصویر پہلی خلیجی جنگ کے دوران فروری 1991 میں لی گئی تھی۔ یہ کویت سے بصرہ جاتی ہوئی سڑک 'موت کی شاہراہ' کی تصویر ہے جس پر واپس ہوتی ہوئی عراقی افواج پر امریکی جہازوں نے بمباری کی تھی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ بمباری دانستہ کی گئی تھی حالانکہ عراقی فوجیں بھاگ رہی تھیں اور لڑائی کی صورت حال سے الگ عراقی سپاہی ایک ٹریفک جام میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس بمباری کے شکار کویتی قیدی اور ریغالی اور فلسطینی پناہ گزین بنے۔ اکثر مشاہدین نے اس کو ایک 'جنگی جرم' کہا ہے اور جینوا کنونشن کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا ہے۔

بالادستی کس طرح قائم ہوئی اس کو ہمیں بہت قریب سے دیکھنا ہوگا۔

اگست 1990 میں عراق نے کویت پر حملہ کر دیا اور بہت تیزی سے اس پر قبضہ کرتا چلا گیا اور بعد میں کویت کا الحاق خود سے کر لیا۔ جب عراق کو کویت سے ہٹانے کی سب سفارتی کوششیں ناکام ہو گئیں تو اقوام متحدہ نے کویت کی آزادی کے لیے قوت کا استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ سرد جنگ کے برسوں کے تعطل کے بعد اقوام متحدہ کا یہ فیصلہ بہت ڈرامائی تھا۔ امریکہ کے صدر

یہ بات بہت بڑی حد تک صحیح ہے لیکن اس سلسلے میں ہمیں اس سے وابستہ دو نکتوں پر بھی غور کرنا چاہیے۔ پہلے تو یہ، جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے کہ امریکہ کی بالادستی کے کچھ پہلو 1991 میں نہیں ابھرے بلکہ درحقیقت وہ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ یعنی 1945 میں ہی سامنے آ گئے تھے۔ دوسرے یہ کہ امریکہ نے فوراً 1991 سے ہی ایک واحد عالمی طاقت کی طرح سے برتاؤ نہیں شروع کر دیا تھا۔ بلکہ یہ احساس دنیا کو کافی بعد میں ہوا کہ وہ 'بالادستی' کی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ یہ

کلنٹن کا دور

پہلی خلیجی جنگ کی فتح کے باوجود جارج ڈبلیو بوش 1992 کا امریکی صدارتی الیکشن ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار ولیم جیفرمن (بل) کلنٹن سے ہار گئے جنہوں نے اپنی الیکشن کی مہم میں بجائے خارجہ پالیسی کے داخلی معاملات کو مسئلہ بنایا۔ بل کلنٹن 1996 میں پھر الیکشن جیتے اور اس طرح وہ آٹھ سال تک امریکا کے صدر رہے۔ کلنٹن کے دورِ اقتدار میں کئی باریہ محسوس ہوا کہ امریکہ اپنے داخلی معاملات میں زیادہ ملوث ہے اور اس کو دنیا کے سیاسی مسائل میں زیادہ دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ خارجہ پالیسی میں کلنٹن حکومت نرم مسائل جیسے جمہوریت کا فروغ، ماحولیاتی تبدیلی اور عالمی تجارت کی جانب زیادہ متوجہ تھی بہ نسبت فوجی طاقت اور تحفظ جیسے سخت مسائل کے۔

اس کے باوجود بھی خود کلنٹن کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے فوجی طاقت استعمال کرنے کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ جن میں سب سے زیادہ نمایاں واقعہ 1999 میں پیش آیا۔ جو یوگوسلاویہ کی ان حرکتوں کے جواب میں تھا جو اس نے اپنے البانی آبادی والے صوبہ کوسوو (Kosovo) میں جاری کر رکھی تھیں۔ NATO کی افواج جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی قیادت کر رہی تھیں، دو ماہ تک یوگوسلاویہ کے نزدیکی ٹھکانوں پر بمباری کرتی رہیں۔ نتیجہ کے طور پر سلو بادل ملوزو وچ کی حکومت گر گئی اور NATO افواج کوسوو میں رہیں۔

ایک اور اہم فوجی قدم جو کلنٹن کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اٹھایا وہ نیروبی، کینیا اور دارالسلام، تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر بمباری

جارج ڈبلیو بوش نے اس کا خیر مقدم ایک نئے عالمی نظام کا ظہور کہہ کر کیا۔

34 ممالک سے اکٹھی کی ہوئی 6,60,000

کی تعداد میں زبردست فوج نے مل کر عراق کے خلاف جنگ چھیڑی اور اس کو شکست دے دی۔ یہ خلیج کی پہلی جنگ کہلاتی ہے۔ لیکن اقوام متحدہ کا یہ حملہ جس کو طوفان دشت کی مہم (Operation Desert Storm) کا نام دیا گیا تھا درحقیقت زیادہ تر امریکی تھا۔ اقوام متحدہ کی فوجوں کی کمان ایک امریکی جنرل نارمن شوازکوف کے ہاتھوں میں تھی اور تقریباً 75 فیصد افواج ریاست ہائے متحدہ سے لی گئی تھیں۔ حالانکہ عراق کے صدر صدام حسین نے اس جنگ کو تمام جنگوں کی ماں کہا تھا لیکن عراقی فوجوں کی جلد ہی پسپائی ہو گئی اور ان کو کویت سے واپس ہونا پڑا۔

پہلی خلیجی جنگ نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور باقی ممالک کے درمیان مکملوجی کی صلاحیت میں فاصلے کو اچھی طرح سے واضح کر دیا۔ خوب تشہیر شدہ نام نہاد اسمارٹ بم کی وجہ سے، جو امریکہ نے اس جنگ میں استعمال کیے، کچھ مبصرین نے اس کو کمپیوٹر کی جنگ کہا۔ وسیع پیمانے پر ٹیلی ویژن پر دکھانے کی وجہ سے اس کو ویڈیو گیم کی جنگ بھی کہا گیا۔ اپنے اپنے آرام دہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ساری دنیا کے لوگوں نے عراقی افواج کی تباہی و بربادی کو دیکھا۔

نا قابل یقین طور پر اس جنگ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے فائدہ اٹھایا۔ بہت سی رپورٹوں کے مطابق، جرمنی، جاپان اور سعودی عرب سے جتنا پیسہ اس جنگ کے لیے امریکہ کو ملا اس سے کم خرچ ہوا۔



کیا یہ صحیح ہے کہ ریاست ہائے متحدہ نے آج تک کوئی جنگ اپنی سرزمین پر نہیں لڑی ہے کیا اس سے ریاست ہائے متحدہ کے کسی بھی فوجی تنازعہ میں کود پڑنا آسان نہیں ہو جاتا ہے۔



یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کیا
اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ
سری لنکا پیرس پر اس لیے
میزائل چھوڑ دے کیونکہ اس کو
کچھ LTTE جنگجوؤں کے
وہاں چھپے ہونے کا شبہ ہے؟

مختصر اس کو 9/11 لکھتے ہیں بجائے 11/9 کے جیسا
کہ ہم ہندوستان میں لکھتے ہیں)
اس حملہ میں تقریباً تین ہزار لوگ مارے گئے۔ اس
حملے نے امریکیوں کو جو صدمہ پہنچایا، یا اس سے جو جھٹکا لگا
اس کا موازنہ 1814 کی واشنگٹن ڈی سی کی برطانوی آتش
زنی یا 1941 میں پرل ہاربر پر جاپان کے حملے سے کیا
جاسکتا ہے۔ لیکن جانی نقصان کے اعتبار سے 9/11



9/11 نیویارک ٹائمز نے دوسری صفحہ پر خبر کی طرح پیش کی، اس کی تصویر

عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

کے جواب میں 1998 میں تھا۔ ان بمباریوں کو القاعدہ
سے منسوب کیا گیا جو ایک دہشت گرد تنظیم تھی اور اسلامی
نظریات سے متاثر تھی۔ ان بمباریوں کے کچھ ہی دن
بعد صدر کلنٹن نے Operation Infinite
Reach کا حکم دے دیا۔ یہ القاعدہ دہشت گردوں کے
افغانستان اور سوڈان کے ٹھکانوں پر بمباری تھا۔ اس
معاملہ میں امریکہ نے نہ تو اقوام متحدہ کی اجازت کی پرواہ
کی اور نہ ہی بین الاقوامی قانون کا لحاظ کیا۔ یہ کہا گیا کہ
کچھ نشانے دراصل شہری مقامات تھے اور ان کا دہشت
گردوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ماضی پر نظر ڈالیے تو یہ
صرف شروعات تھی۔

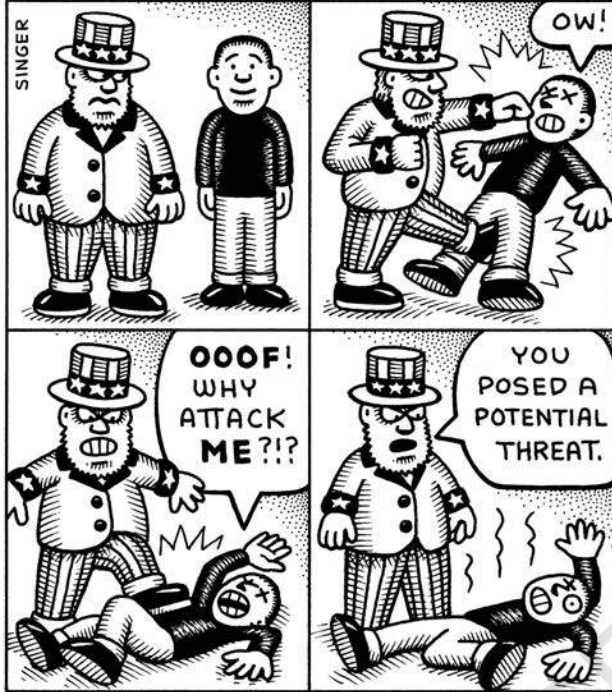
9/11 اور دہشت گردی کے

خلاف عالم گیر جنگ

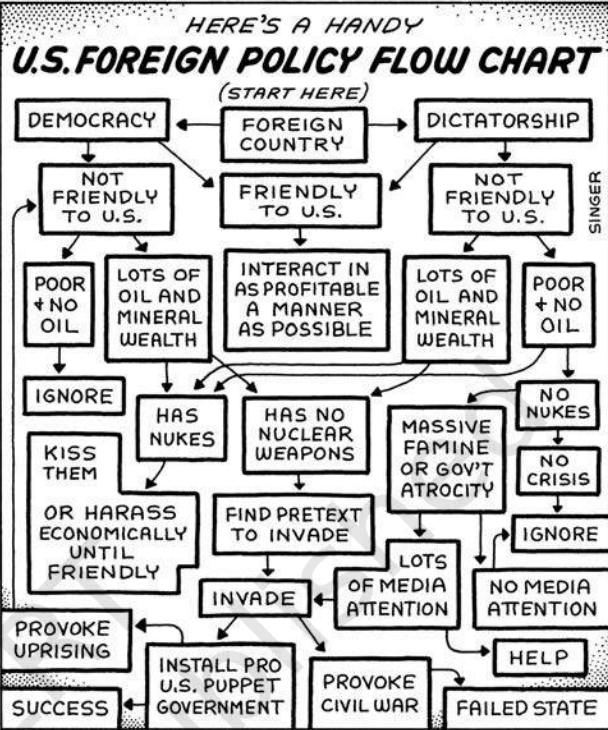
11 ستمبر 2001 کو عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے
19 ہائی جیکرز نے 4 امریکی تجارتی طیاروں پر ان کے
اڑان بھرتے ہی قبضہ کر لیا اور ان کو لے جا کر امریکہ کی
اہم عمارتوں سے ٹکرایا۔ ایک ایک طیارہ عالمی تجارتی مرکز
کے شمالی اور جنوبی ٹاور سے ٹکرایا۔ تیسرا طیارہ آئٹکنٹن،
ورجینیا میں پینٹاگون (Pentagon) کی عمارت سے
ٹکرایا جہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے محکمہ دفاع
کا صدر دفتر ہے۔ چوتھا طیارہ، جس کے متعلق خیال کیا
جاتا ہے کہ اس کی منزل امریکہ کی کانگریس کیپٹل
بلڈنگ تھی، پنسلوانیا (Pennsylvania) کی ایک
وادی میں گر کر تباہ ہو گیا۔ یہ حملہ '9/11' کے نام
سے جانے جاتے ہیں (امریکہ میں طریقہ یہ ہے کہ مہینے
کا نام یا نمبر پہلے لکھتے ہیں اس کے بعد تاریخ، اس لیے

NO EXIT © Andy Singer

THE NEW U.S. FOREIGN POLICY?



NO EXIT © Andy Singer



فرض کیجیے کہ آپ امریکی وزیر خارجہ ہیں۔ اس صورت میں آپ تو ایک پریس کانفرنس میں ان کارٹونوں کے متعلق کیا رد عمل دکھائیں گے؟

پھینکا گیا لیکن طالبان اور القاعدہ کا بچا کچا حصہ پھر بھی دم دار رہا جیسا کہ مغربی ٹھکانوں پر ان کے دہشت گرد حملوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔

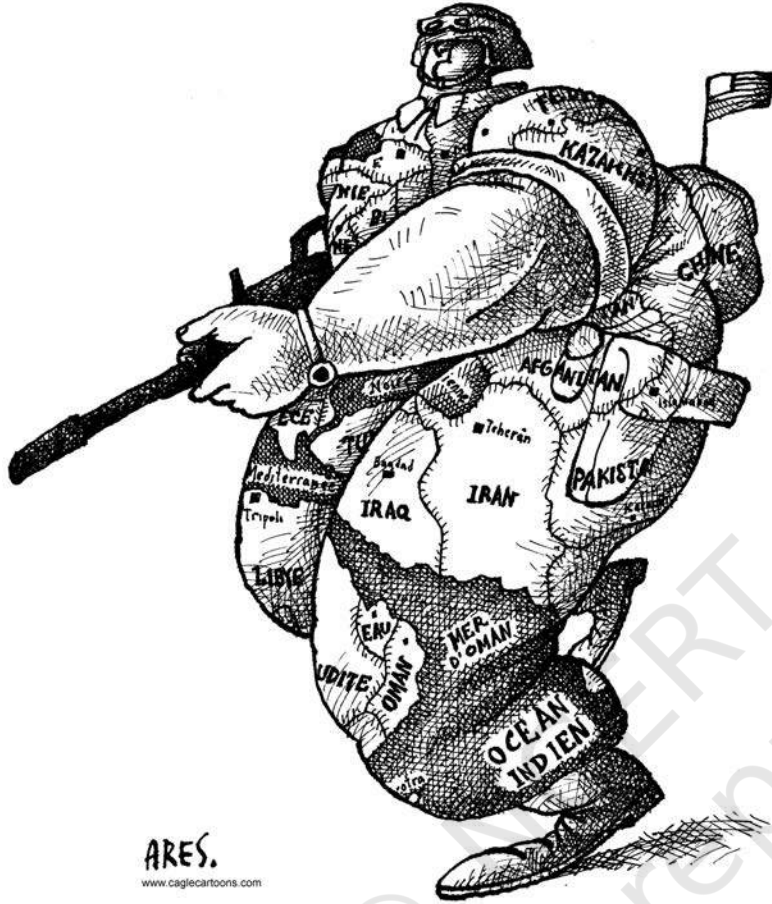
امریکہ کی فوجوں نے دنیا بھر میں گرفتاریاں کیں اور قیدیوں کو ان کے ممالک سے باہر لاکر خفیہ قید خانوں میں رکھا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر گرفتار ہونے والوں کی حکومتوں کو خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان میں سے کچھ کو Guantanamo Bay لایا گیا۔ یہ کیوبا میں امریکہ کا ایک بحری اڈہ ہے جہاں قیدیوں کو نہ تو بین الاقوامی قانون، نہ اپنے ملک کے قانون اور نہ ہی امریکہ کے قانون کی سہولتیں حاصل تھیں۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے افسران بھی ان قیدیوں سے نہیں مل سکتے تھے۔

ریاست ہائے متحدہ کے 1776 میں وجود میں آنے کے بعد اس کی سر زمین پر سب سے بڑا حملہ تھا۔

9/11 پر ریاست ہائے متحدہ کا رد عمل تیز اور

سفاک تھا۔ ریاست ہائے متحدہ کی کرسی صدارت اب بل کلنٹن کے بجائے ریپبلکن پارٹی کے جارج ڈبلیو بوش نے، جو سابق صدر جارج ایچ ڈبلیو بوش کے صاحب زادے تھے، نے سنبھالی۔ کلنٹن کے برعکس بوش امریکی مفادات اور ان کو حاصل کرنے کے ذرائع کے بارے میں زیادہ سخت تھے۔ دہشت گردی کے خلاف عالم گیر جنگ کے منصوبے کے تحت امریکہ نے پائیدار آزادی کی مہم بالخصوص القاعدہ اور افغانستان میں طالبان حکومت کے خلاف چھیڑ دی۔ طالبان کی حکومت کو آسانی سے اکھاڑ

عراق پر حملہ



مارے جا چکے ہیں۔ اور اب یہ مانا جاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ کی قیادت میں ہونے والا یہ حملہ سیاسی اور فوجی ناکامی تھی۔

بالادستی کا کیا مطلب ہے؟

سیاست، طاقت کے گرد گھومتی ہے۔ جس طرح سے افراد طاقت حاصل کر کے اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح سے گروپ بھی طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔ عالمی سیاست میں بھی کچھ ممالک یا ممالک کے گروپ ہر وقت طاقت ور بننے اور

19 مارچ 2003 کو امریکہ نے خفیہ آپریشن آزادی عراق (Operation Iraqi Freedom) کے تحت عراق پر حملہ کر دیا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی قیادت میں چالیس سے زیادہ ملکوں نے Coalition of the willing یعنی رضا مندوں کا مخلوط اتحاد کے نام سے جماعت بنائی جب کہ اقوام متحدہ نے اس حملہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس حملے کے لیے ایک بناوٹی بہانہ یہ تھا کہ عراق کو بڑی تباہی کے ہتھیاروں (Weapons of Mass Destruction) کو جمع کرنے سے روکنا ہے۔ کیونکہ عراق میں WMD کا کوئی ثبوت نہیں ملا، لہذا یہی سمجھا گیا کہ اس حملے کے اصل محرکات کچھ اور تھے جیسے کہ عراق کے تیل کے ذخائر پر قبضہ اور امریکہ کی پٹھو حکومت کا قیام۔

اگرچہ صدام حسین کی حکومت جلد ہی گر گئی لیکن امریکہ کی حکومت عراق کو زیر نہیں کر سکی۔ عراق میں پورے پیمانے پر امریکہ کے قبضے کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے تقریباً تین ہزار فوجیوں نے جان سے ہاتھ دھوئے لیکن عراقیوں کی اموات کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حملے کے بعد سے اب تک 50,000 عراقی

بازار

سرد جنگ کے بعد کے ان تنازعات کی فہرست بنائیں جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے مخدوش کردار ادا کیا۔

عصری عالمی سیاست

نمائندگی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کرتے تھے۔ سوویت یونین کے انتشار کے بعد دنیا میں ایک ہی طاقت رہ گئی۔ یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ کبھی کبھی جب بین الاقوامی نظام میں صرف ایک ہی عظیم طاقت کا غلبہ ہو تو اس صورت حال کو ایک قطبی نظام کہا جاتا ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ علم طبیعیات سے آئے ہوئے لفظ ”قطب“ کے استعمال سے زیادہ انصاف نہیں ہو رہا ہے۔ لہذا یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ایک ایسا بین الاقوامی نظام جس میں طاقت صرف ایک مرکز پر سمٹ آئی ہو اس کو قیادت، بالادستی کی اصطلاح دی جائے۔

Hegemony یا قیادت کیا ہے ہمیں اس بارے میں تین مختلف رائیں ملتی ہیں۔ ہم ان میں سے تینوں کا جائزہ لیں گے اور بالادستی، کے معنی کو ہم عصر سیاست سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایک بے رحم اور صبر آزما طاقت کے طور پر

لفظ Hegemony کا ماخذ کلاسیکی یونانی زبان سے ہے اور اس لفظ کا مطلب ہے کہ کسی ایک ریاست کی برتری یا رہنمائی۔ اور سب سے پہلے اس کا استعمال یونان کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں اتھنز (Athens) کی فوقیت اور برتری کے لیے ہوا۔ لہذا قیادت کے اولین معنی ریاستوں کے درمیان تعلقات، ان کی فوجی صلاحیتوں کے درمیان توازن اور انداز کے ہیں۔ اس معنی میں فوجی برتری کا تصور موجودہ صورت حال میں بین الاقوامی سیاست میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حیثیت مقرر کرتا ہے۔ کیا آپ کو عائشہ یاد ہے جس



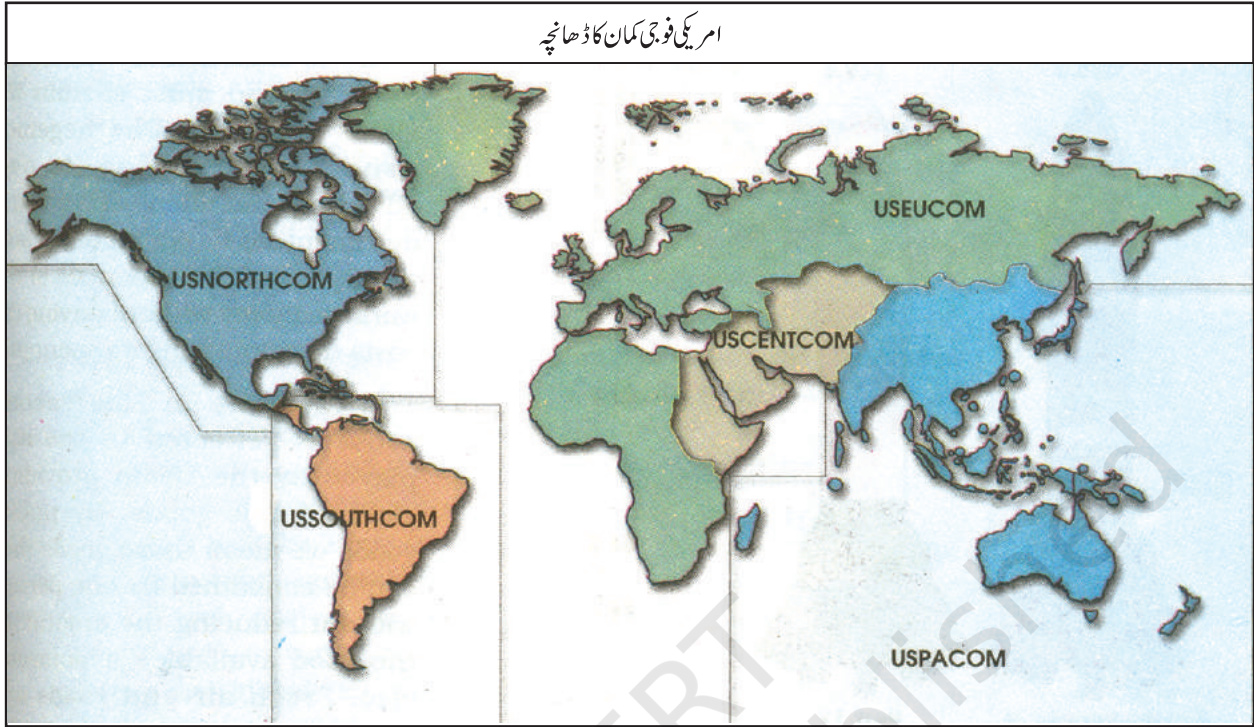
عنوان: ”ریاست ہائے متحدہ کے انگوٹھے کے نیچے“۔ ہمیں عام فہم معنوں میں سرداری کا مطلب سمجھتا ہے۔ کارٹون امریکی دادا گیری کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ کارٹون بنانے والا دنیا کے کس حصے کی بات کرتا ہے؟

پھر اس طاقت کو اپنے پاس رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ طاقت فوجی غلبہ، معاشی قوت، سیاسی اثر اور ثقافتی برتری کی شکل میں ہوتی ہے۔

لہذا اگر ہمیں دنیا کی سیاست کو سمجھنا ہے تو یہ لازمی ہے کہ ہم دنیا کے ممالک کے درمیان طاقت کی تقسیم کو سمجھیں۔ مثال کے طور پر سرد جنگ (1945-91) کے زمانے میں طاقت مختلف ممالک کے دو گروپوں میں بٹی ہوئی تھی اور عالمی سیاست میں دونوں گروہوں کی



بالادستی جیسے مشکل الفاظ کیوں استعمال کیے جائیں؟ میرے شہر میں لوگ اسے دادا گیری کہتے ہیں۔ کیا یہ بہتر لفظ نہیں ہے؟



Http://www.army.mil/institution/organisation/areaof_responsibility.jpg ماخذ:

دنیا کی زیادہ تر افواج اپنے عمل کے دائرے کو مختلف ”کمانڈ“ میں تقسیم کرتی ہیں جو کہ مختلف کمانڈز کی زیر نگرانی ہوتے ہیں۔ اس نقشہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پانچ کمانڈز کے علاقے دکھائے گئے ہیں۔ یہ دکھاتا ہے کہ ریاست ہائے متحدہ کی کمانڈز کے علاقے صرف ریاست ہائے متحدہ تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں یہ نقشہ ہمیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی فوجی طاقت کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟

دوسری ریاست ریاست ہائے متحدہ کی ان صلاحیتوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ اپنی صلاحیتوں کو برقرار رکھنے کے لیے ریاست ہائے متحدہ، اپنے سے چلی 12 ریاستوں کے مجموعی دفاعی اخراجات، سے زیادہ خرچ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پینٹاگون (Pentagon) یعنی امریکی محکمہ دفاع کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ فوجی تحقیق و ترقی میں چلا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ٹکنالوجی میں۔ اس کا مطلب ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا فوجی غلبہ محض فوجی اخراجات کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ اس کے اور دوسری ریاستوں کی ٹیکنالوجی اور کوالٹی میں جو فاصلہ اور فرق ہے فی الحال اس کو کوئی طاقت نہیں پاٹ سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ عراق پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے حملے نے خود اسی کے کئی کمزور پہلو نمایاں

نے امریکی میزائل حملے میں اپنی ایک ٹانگ کھودی تھی۔ یہ زبردست طاقت والی قیادت (Hard Power Hegemony) ہے جس نے عائنہ کو ٹانگ سے تو محروم کر دیا لیکن ہمت و حوصلہ سے نہیں۔ ریاست ہائے متحدہ کی تمام قوت کا انحصار اس کی فوج کی بے پناہ برتری پر ہے۔ آج امریکا کا یہ فوجی تسلط اور غلبہ مکمل بھی ہے اور نسبتاً بہت زیادہ ہے۔ جہاں تک مکمل ہونے کا سوال ہے تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پاس وہ فوجی صلاحیتیں موجود ہیں کہ اس سیارے پر جس وقت اور جب اور جتنے وقت میں چاہیں تباہی کے لیے پہنچ سکتے ہیں اور دشمن کو اپنا بچ بچا سکتے ہیں جب کہ خود اس کی اپنی افواج جنگ کے خطروں سے زیادہ سے زیادہ اور محفوظ سے محفوظ ترین جگہوں میں رہتی ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ کوئی

عصری عالمی سیاست

میں ریاست ہائے متحدہ کی صلاحیت اپنی جگہ مسلم ہے۔
ریاست ہائے متحدہ کی افواج نے جہاں کمزوری دکھائی
ہے، وہ ایک مقبوضہ علاقے میں نظم و ضبط کا قیام ہے۔

بالادستی ایک ساختی قوت کی حیثیت سے

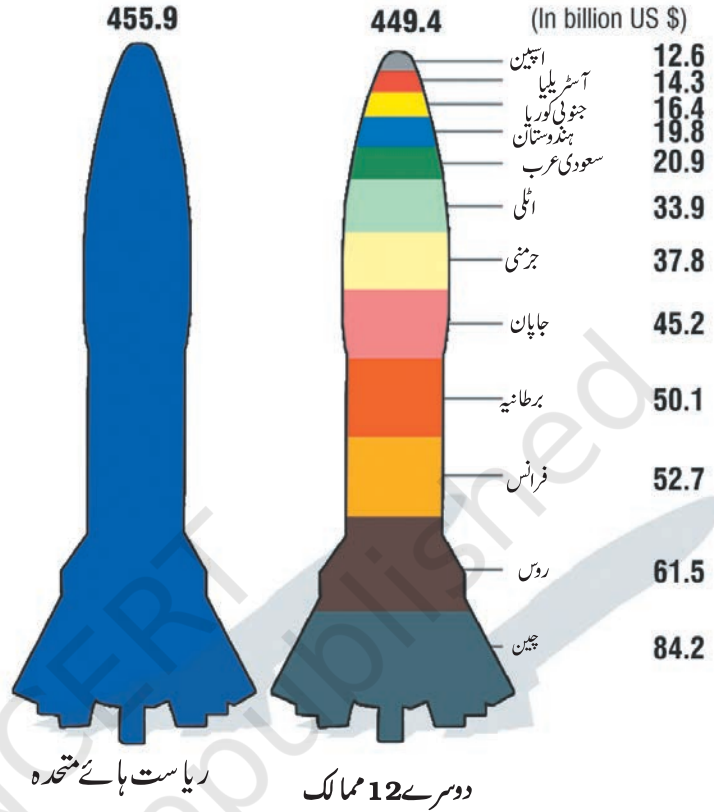
(Hegemony as Structural Power)

بالادستی کے متعلق دوسری رائے پہلی رائے سے بالکل
مختلف ہے۔ یہ رائے دنیا کی معیشت کی ایک مخصوص سمجھ
سے ابھرتی ہے۔ بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں آزاد
معیشت اپنی تخلیق اور اپنے وجود کے لیے ایک عظیم قوت
چاہتی ہے۔ جس کے پاس نظم کے کچھ عناصر قائم کرنے
اور انہیں برقرار رکھنے کے لیے ارادہ اور صلاحیت دونوں
موجود ہوں۔ قائد یہ کام عام طور سے اپنے فائدے کے
لیے کرتا ہے لیکن، نقصان کے ساتھ بھی کیونکہ اس سے
مقابلہ کرنے والے عالمی معیشت کی کشادگی کا فائدہ تو
اٹھاتے ہیں لیکن اس کی برقراری کے لیے جو قیمت چکانی
پڑتی ہے وہ نہیں چکاتے۔



ڈالر کی دنیا

سالانہ دفاعی اخراجات 2004



The Military Balance 2006 (London: International Institute for Strategic Studies/Routledge, 2006), pp. 398-403 (Table 44: Comparative Defence Expenditure and Military Manpower, 2002-2004).

آج کل ریاست ہائے متحدہ اپنے سے نچلی 12 ریاستوں کے مجموعی دفاعی اخراجات سے زیادہ
خرچ کرتی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھو گے کہ فوج پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے والے ممالک
ریاست ہائے متحدہ کے دوست اور حلیف ہیں۔ لہذا طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کی حکمت عملی
فی الحال ممکن نہیں۔

کر دیے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کسی طرح بھی
عراقی عوام کو اس کی اپنی قیادت کے اتحادی فوجوں کو
تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکی۔ لیکن امریکی کمزوری کی
نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخی شعور کی
ضرورت ہوگی۔ ماضی میں استعماری طاقتوں نے صرف
چار مقاصد کے حصول کے لیے فوجی طاقت کا استعمال
کیا: فتوحات، دفاع، تعزیری کارروائی اور نظم و نظام کا
قیام۔ عراقی حملے نے یہ ثابت کر دیا کہ اول دو کاموں



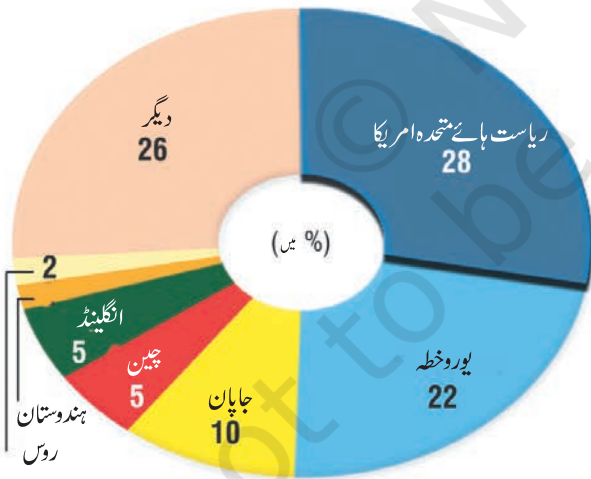
یہ ملک اتنا دولت مند کیسے
ہو سکتا ہے؟ میں تو یہاں
اتنے غریب آدمیوں کو
دیکھتی ہوں، ان میں زیادہ تر
غیر سفید فام ہیں۔

رہتے ہیں۔ ایک کشادہ عالمی معیشت میں آزادانہ
تجارت ان قوانین کے بغیر ناممکن ہے۔ بالادست ملک
کی بحری قوت ہی بحری قانون اور جہازوں کی بیمہ سازی
وغیرہ کا کام کرتی ہے اور بین الاقوامی سمندروں میں
سب کے لیے جہاز رانی کا حق محفوظ رکھتی ہے۔ دوسری
عالمی جنگ کے بعد برطانیہ کی بحری طاقت کے زوال
کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے یہ کردار ادا کیا۔
عوامی سامان کی دوسری مثال انٹرنیٹ Internet
ہے۔ اگرچہ اس کو عالمی ویب World Wide Web
یعنی www کی دنیا کو ممکن بنانے والے کے طور پر دیکھا
جاتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انٹرنیٹ جو

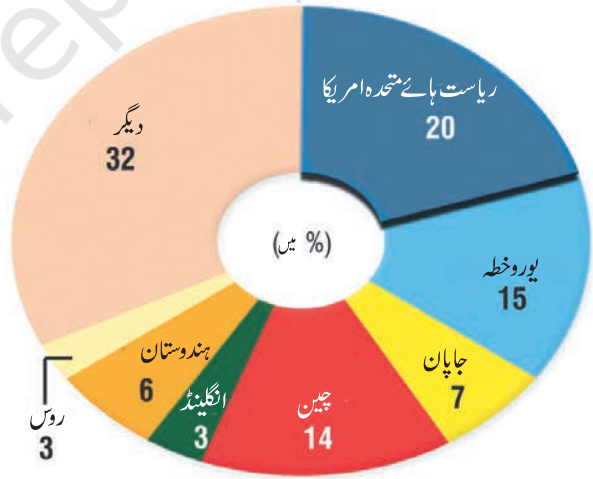
عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

بالادستی (Hegemony) اپنے دوسرے معنی
میں امریکہ کے اس کردار میں دیکھی جاسکتی ہے جو وہ
عالمی پیمانے پر عوامی اشیاء بہم پہنچانے میں کرتا ہے۔ عوامی
اشیاء یا Public Goods سے ہماری مراد اس سامان
سے ہے جو ایک شخص کسی دوسرے شخص کے لیے دستیاب
سامان کو کم کیے بغیر استعمال کرتا ہے۔ تازہ ہوا اور
سڑکیں عوامی اشیاء کی مثالیں ہیں۔ عالمی معیشت
کے پس منظر میں عوامی اشیاء کی سب سے بہتر مثالیں
مواصلات کے بحری قوانین (Sea-Laws of
Communication) (SLOCs) ہیں یعنی وہ
سمندری راستے جو تجارتی جہازوں کے استعمال میں

کل گھریلو پیداوار 2005



کل گھریلو پیداوار 2005
(جزوی طور پر قوت خرید)



ماخذ: World Development Indicators database, World Bank, 1 July, 2006, accessed from
<http://siteresources.worldbank.org/DATASTATISTICS/Resources/GDP.pdf>

امریکی معیشت دنیا میں سب سے بڑی ہے۔ لیکن فوجی میدان کے برعکس اس کو یہاں سخت مقابلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات زیادہ واضح ہو جائے گی اگر ہم
Purchasing Power Parity (PPP) کے اصول پر عالمی معیشت پر غور کریں جیسے کہ مندرجہ بالا گرافک میں ہے۔ PPP سے مراد وہ سامان اور خدمات ہیں
جو کسی ملک کو اس کی کرنسی کے عوض ملتی ہیں۔

عصری عالمی سیاست

سب سے پہلا بزنس اسکول یا کالج امریکہ کی یونیورسٹی آف پنسلوینیا میں 1881ء میں قائم ہوا۔ MBA کا اولین نصاب 1900ء کے آس پاس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے باہر 1950ء میں شروع کیا گیا۔ آج دنیا میں ایسا کوئی ملک نہیں ہے جہاں MBA ایک باوقار ڈگری نہ مانی جاتی ہو۔ اور یہ حقیقت ہمیں اپنے جنوبی افریقی دوست جاوہر کی طرف لے جاتی ہے۔ تعمیری قیادت یہ واضح کر دیتی ہے کہ جاوہر کا باپ یہ اصرار کیوں کر رہا ہے کہ اس کا بیٹا مینٹنگ چھوڑ کر MBA میں داخلہ لے۔

بالادستی ایک نرم طاقت کے طور پر

(Hegemony as Soft Power)

اگر ہم امریکی قیادت کو صرف فوجی اور معاشی طاقت کی طرح دیکھیں اور اس کی نظریاتی اور ثقافتی جہتوں پر غور نہ کریں تو یہ بڑی غلطی ہوگی۔ قیادت کے اس تیسرے نظریے کا پہلو دراصل رائے سازی کی اہلیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی طبقے کی سماجی، سیاسی اور خصوصاً نظریاتی میدان میں فوقیت اور برتری کا حصول۔ یہ بالادستی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ایک غالب طبقہ یا ملک ایک مغلوب طبقہ کی رضامندی یا موافقت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مغلوب طبقے کی دنیا کو ایسی نظر سے دیکھنے کے لیے قائل کر لیتا ہے جو غالب طبقہ کے لیے فائدے مند ہو۔ لہذا اگر اس نظریے کی تطبیق عالمی سیاست سے کی جائے تو بالادستی کے نظریے (hegemony) سے مراد ایک حاوی قوت، نہ صرف فوجی طاقت بلکہ نظریاتی ذرائع بھی، استعمال کرتی ہیں اور وہ چھوٹی قوتیں جو ان کے مقابل ہوں ان کی کردار سازی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انہیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہیں خصوصاً اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے کہ ان

1950ء میں شروع ہوئی ایک ریاست ہائے متحدہ فوج کی تحقیق کا براہ راست نتیجہ ہے۔ آج بھی انٹرنیٹ عالمی نیٹ ورک جن سیاروں پر منحصر ہے ان میں زیادہ تر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ملکیت ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا میں ہر جگہ اور ہر معیشت اور ٹکنالوجی کے میدان میں موجود ہے دنیا کی معیشت میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا حصہ 28 فی صد ہے، جو کہ بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر عالمی تجارت کے اعداد و شمار میں، یورپ میں ہونے والی تجارت کو بھی ملا دیا جائے تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا عالمی تجارت میں حصہ 15 فی صد ہو جاتا ہے۔ دنیا کی معیشت کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں کوئی ایک امریکن کمپنی کا نام، چوٹی کی تین کمپنیوں میں نہ ہو۔ یہ یاد رکھنا بھی اہم ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا معاشی تسلط اس کی تعمیری قوت سے جدا نہیں کیا جاسکتا جو کہ دراصل عالمی معیشت کو کوئی بھی شکل دینے کی قوت ہے۔ آخر کار دوسری عالمی جنگ کے بعد Bretton Woods کا جو نظام ریاست ہائے متحدہ نے بنایا وہ اب بھی دنیا کی معیشت کا بنیادی ڈھانچہ مانا جاتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عالمی بینک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور عالمی تجارتی تنظیم (WTO) امریکی قیادت کی ہی پیداوار ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تعمیری قوت کی ایک مستند مثال ایک تعلیمی ڈگری ہے جس کو Master's in Business Administration (MBA) کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ کہ تجارت ایک پیشہ یا فن ہے جس میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور جو کہ ایک یونیورسٹی میں سکھائی جاسکتی ہے، خالص امریکی نظریہ ہے۔ دنیا کا



اگر میں نے سائنس کے مضامین کو اختیار کیا ہوتا تو مجھے میڈیکل اور انجینئرنگ کالج کے داخلہ کے امتحان میں بیٹھنا پڑتا۔ اس کا مطلب بہت سارے لوگوں سے مقابلہ جو ڈاکٹر اور انجینئر بننا چاہتے ہیں تاکہ یونائیٹڈ اسٹیٹس جاسکیں۔



عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

کا غلبہ برقرار رہے۔ لہذا دوسرے الفاظ میں رضامندی یا اتفاق جبر و بردستی کے ساتھ ساتھ تو چلتا ہے لیکن اکثر اس سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

آج دنیا میں ریاست ہائے متحدہ کی فوقیت فوجی طاقت اور معاشی مضبوطی کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ ہر جگہ اس کی تہذیبی رسائی اور موجودگی میں بھی مضمر ہے۔ اور خواہ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں حقیقت یہی ہے کہ بہتر زندگی اور انفرادی کامیابی کے تصورات، اور دنیا بھر کے سماجوں اور افراد کے خواب اُسی طرز زندگی سے نکلے ہیں جو بیسویں صدی کی امریکہ میں رائج ہیں۔ امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے گمرہ کن اور سب سے زیادہ حاوی تہذیب ہے۔ اسی صلاحیت کو 'نرم طاقت' لکھتے ہیں یعنی جبر کے بجائے ترغیب کی صلاحیت رفتہ رفتہ ہمیں اس کی عادت ہو جاتی ہے اور ہمیں اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ بالادستی ہم پر کہاں تک اثر انداز ہو رہی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہم اپنے گرد پرندوں، دریاؤں اور درختوں کو دیکھتے ہیں لیکن احساس نہیں ہوتا۔

یہ عجیب بات ہے۔ میں

جب اپنے لیے چیز خریدتی ہوں تو مجھے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا خیال بھی نہیں آتا۔ تو پھر میں کیسے ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی کا شکار ہو سکتی ہوں؟



یہ تینوں تصویریں انڈونیشیا میں جکارتا کی ہیں۔ ہر تصویر میں وہ چیزیں تلاش کیجیے جو ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی کی علامتیں ہوں۔ کیا آپ اسکول سے گھر کی واپسی کے راستے میں بھی ایسی علامتوں کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟

عصری عالمی سیاست

رہی۔ لیکن ’نرم طاقت‘ ہی وہ میدان تھا جہاں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اصل فتح نصیب ہوئی۔ نیلی جینز کی مثال یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک ثقافتی ایجاد کی مدد سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے سوویت یونین کے معاشرہ میں دونسلوں کے درمیان تفریق پیدا کر دی۔

امریکی طاقت پر بندشیں

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سلطنتوں کا زوال ان کی اپنی اندرونی کمزوریوں کے سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح امریکی بالادستی پر سب سے زیادہ دباؤ خود امریکی قیادت کے مرکز میں موجود ہیں ہم امریکی قیادت پر تین دباؤ کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔ ان تینوں دباؤ میں سے کوئی بھی بندش یاد دہاؤ ’9/11‘ کے بعد کے سالوں میں متحرک نظر نہیں آتا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تینوں دباؤ پھر سے سرگرم ہو رہے ہیں۔

سب سے پہلی بندش یاد دہاؤ خود ریاست ہائے متحدہ کے نظام کی ساخت ہے۔ حکومت کی تین شاخوں

تم یقیناً آندرے اوراس کی Cool نیلی جینز کو نہیں بھولے ہو گے۔ جب اس کے والدین سوویت یونین میں جوان عمر کے تھے تو ان کی نسل کے لیے یہی نیلی جینز آزادی کی نشانی تھی۔ نو جوان مرد اور عورتیں کالے بازار میں باہر کے سیاحوں سے نیلی جینز خریدنے کے لیے اپنی ایک سال کی تنخواہ خرچ کر دیتے تھے۔ جیسے بھی ہوا لیکن حقیقت یہی ہے کہ سوویت یونین کی ایک پوری نسل کے لیے نیلی جینز اُس بہتر زندگی کی تمناؤں کی نمائندہ تھی جو ان کے اپنے ملک میں میسر نہیں تھی۔

سرد جنگ کے زمانے میں ریاست ہائے متحدہ کے لیے زبردست طاقت (Hard Power) کے میدان میں سوویت یونین کے اوپر فتح پانا مشکل کام تھا۔ لیکن اس نے تعمیری قوت اور نرم قوت (Structural and soft power) کے میدان میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کیں۔ اگرچہ سوویت یونین کی مرکزی منصوبہ بند معیشت میں دنیا کے لیے ایک متبادل تھا لیکن سرد جنگ کے زمانے میں سرمایہ دارانہ معیشت ہی دنیا پر چھائی



اوپر یہ دونوں تصویریں American Friends Service Committee کی ترتیب دی ہوئی ایک نمائش سے جس کا موضوع ’عراقی جنگ کی انسانی قیمت‘ تھا اور جوڈیو کرینک پارٹی کے 2004 کے قومی کنونشن میں دکھائی گئی تھی، سے لی گئی ہے۔ اس قسم کے مظاہرے کس حد تک حکومت پر بندشیں لگا سکتے ہیں؟



جیسے ہی میں یہ کہتا ہوں کہ
میں ہندوستان سے ہوں، وہ
مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا میں
ایک کمپیوٹر انجینئر ہوں۔ یہ
اچھا لگتا ہے۔

زمانے میں ہندوستان کا سب سے قریبی دوست
سوویت یونین تھا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد
یکا یک ہندوستان نے خود کو ایک مخالف بین الاقوامی
ماحول میں تنہا پایا۔ بہر حال یہی وہ وقت تھا جب
ہندوستان نے اپنی معیشت کو آزاد بنانے اور عالمی
معیشت سے جوڑنے کا فیصلہ کیا۔ ہندوستان کی یہ
پالیسی موجودہ برسوں میں اور اس کی حیرت انگیز طور پر
بڑھتی ہوئی معاشی ترقی نے کئی ملکوں کو، جس میں ریاست
ہائے متحدہ امریکہ بھی شامل ہے، ہندوستان جیسا ایک
فائدے مند کاروباری ساتھی ملا۔

یہ بھی اہم ہے کہ ہم ان دو عناصر کو جو پچھلے چند
سالوں سے ظہور میں آئے ہیں ہندوستان اور ریاست
ہائے متحدہ امریکہ کے تعلقات کی بحث میں نظر انداز نہ
کریں۔ ان عناصر کا تعلق ٹیکنالوجی اور ہندوستانی نژاد
غیر مقیم امریکی یا پردیسی ہندوستانی تھے۔ درحقیقت یہ
دونوں عناصر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ مندرجہ ذیل
نکتوں پر غور کیجیے۔

- ہندوستان سوفٹ ویئر (soft wear) کی کل
پیداوار کا 65 فیصد حصہ ریاست ہائے متحدہ
امریکہ سے درآمد کرتا ہے۔
- بوئنگ کمپنی کا 35 فیصد تکنیکی عملہ ہندوستانی نژاد ہے۔
- سیلیکون وادی Silicon Valley میں تین لاکھ
ہندوستانی کام کرتے ہیں۔
- اعلیٰ ٹکنالوجی کا 15 فیصد ہندوستانی Startup
کے ہاتھوں میں ہے۔

دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان کو بھی یہ فیصلہ
کرنا ہے کہ اس عالم گیر بالادستی کے دور میں اس کو
ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے کس قسم کے تعلقات رکھنے
ہیں۔ انتخاب اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ ریاست ہائے

عالمی سیاست میں امریکہ کی بالادستی

(مقتضیٰ، منظمہ اور عدلیہ) کے درمیان تقسیم اختیارات کی وجہ
سے امریکی انتظامیہ کی فوج کی بے بندش اور غیر معتدل
استعمال پر پابندی لگتی ہے۔

امریکی طاقت پر دوسری بندش داخلی نوعیت
کی ہے اور امریکی معاشرہ کی بے تعصبی اور وسیع انظری
سے جنم لیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ کا
عوامی میڈیا وقتاً فوقتاً کسی مسئلے پر کوئی خاص نقطہ نظر حاوی
کرنے یا متعارف کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے لیکن
حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے سیاسی ماحول میں حکومت
کے مقاصد اور طریقہ کار کے بارے میں عوام کے
درمیان بہت گہرے شکوک و شبہات جگہ بنائے ہوئے
ہیں۔ ایک طویل مدت کے بعد یہ عنصر ریاست ہائے
متحدہ امریکہ کی باہر کی فوجی کارروائیوں میں ملوث ہونے
پر ایک زبردست بندش کا کام کرتا ہے۔

لیکن دراصل تیسرا دباؤ امریکن طاقت پر سب
سے بڑی بندش ہے۔ بین الاقوامی سطح پر آج صرف ایک
تنظیم ایسی ہے جو ریاست ہائے متحدہ کی طاقت کے
استعمال کو اعتدال کے اندر لاسکتی ہے اور وہ ہے North
Atlantic Treaty Organisation (NATO)
ظاہر ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ان جمہوری
طاقتوں سے جو آزادانہ تجارت جاری رکھنا چاہتے ہیں،
اتحاد و اتفاق سے بہت مفادات وابستہ ہیں اور اسی لیے یہ
ممکن ہے کہ NATO کے حلیف ریاست ہائے متحدہ
امریکہ کی بالادستی کے عمل کو اعتدال میں لائیں گے۔

ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے تعلقات

سرد جنگ کے دوران ہندوستان ریاست ہائے متحدہ
امریکہ کے مقابل دوسری جانب کھڑا ہوا تھا۔ اس

ہندوستان اور امریکہ کے
درمیان گزشتہ دنوں ہوئے
سول نیوکلیئر معاہدہ سے
متعلق مضامین اور خبروں
کے تراشے جمع کرو۔ اس
معاہدہ کے مخالفین اور
موافقین کے نقطہ نظر
کا خلاصہ کر کے لکھو۔

متحدہ امریکہ کے متعلق حکمت عملی اختیار کرنے کے بارے میں تین امکانات کے ارد گرد بحث ہو رہی ہے۔
■ وہ ہندوستانی تجزیہ نگار جو بین الاقوامی سیاست کو فوجی طاقت کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں، ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بڑھتے ہوئے تعلقات سے خوف زدہ ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوستان کو واشنگٹن سے اپنی دوری برقرار رکھنی چاہیے اور خود اپنی مکمل قومی طاقت کی ترقی پر نظر رکھنی چاہیے۔

■ دوسرے تجزیہ نگار ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے درمیان بڑھتے ہوئے آپسی مفادات کو ایک تاریخی موقع سمجھتے ہیں۔ وہ ایک ایسی حکمت عملی کی وکالت کرتے ہیں جو ہندوستان کو امریکہ کی بالادستی کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا موقع فراہم کرے اور یہ متفقہ ذہنی میلان ہندوستان کے لیے بہتر راستہ (option) پیدا کرے۔ ان کے خیال میں امریکہ کی مخالفت طویل مدت میں ہندوستان کے مفادات کو مجروح کرے گی۔
■ تجزیہ نگاروں کے ایک گروپ کا یہ ماننا ہے کہ ہندوستان کو ترقی پذیر ممالک کا ایک الگ اتحاد بنانا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اشتراک زیادہ مضبوط ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ موجودہ قیادت اس کے طور طریقے درست کرانے میں کامیاب ہو جائے۔

ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے تعلقات شاید اتنے پیچیدہ ہیں کہ ایک حکمت عملی ان کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے۔ دراصل ہندوستان کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے تعلقات نبھانے اور قائم رکھنے کے لیے اپنی خارجہ پالیسی میں کئی قسم کی حکمت عملی کا امتزاج ہے۔

ہندوستان-امریکہ تعلقات پر لوک سبھا میں بحث



نیچے، ہندوستان اور ریاست ہائے متحدہ کے درمیان نیوکلیائی توانائی کے معاہدے پر لوک سبھا میں بحث کے دوران وزیر اعظم اور دو اپوزیشن رہنماؤں نے جو تقریریں کیں ان سے اقتباسات درج ہے۔ کیا یہ تینوں اقتباسات ان تینوں طرز فکر سے مطابقت رکھتے ہیں جو اس باب میں بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر منموہن سنگھ، کانگریس

”محترم، میں بہت ادب کے ساتھ اس جلیل القدر ایوان سے گزارش کروں گا کہ وہ ہندوستان کی جانب دنیا کے بدلتے ہوئے مزاج کو تسلیم کریں۔ اس کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ طاقت کی سیاست اب قصہ پارینہ بن چکی۔ یا اب کوئی ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ ہم تمام موجود خطروں سے اپنا تحفظ کریں گے۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اگر ہم افق پر طلوع ہوئے مواقع کا فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ میں پوری نیک نیتی سے یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے حق میں ہے کہ بڑی طاقتوں سے اس کے تعلقات استوار ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم یونائیٹڈ اسٹیٹس سے بہتر تعلقات چاہتے ہیں۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس ایک ممتاز عظیم قوت ہے“

شری باسودیب اچاریہ، بی پی آئی (ایم)

”آزادی سے لے کر ہم ایک آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرتے رہے کیونکہ یہ ہمارے قومی مفاد میں تھا۔ لیکن ہم نے ایران اور عراق کے سلسلے میں کیا دیکھا؟ ہم نے دیکھا کہ جولائی کے بیان کے بعد، اور جس وقت بین الاقوامی جوہری توانائی ایجنسی میں ووٹنگ ہو رہی تھی، ہم ریاست ہائے متحدہ کے دوش بدوش کھڑے تھے۔ ہم نے ریاست ہائے متحدہ اور P5 کی پیش کردہ قراردادوں کی حمایت کی۔ اور یہ اس سے پہلے متوقع نہیں تھا۔ جب ہم ایران سے، براہ پاکستان، گیس لانے کی کوشش کر رہے تھے جس کی ہمیں ضرورت تھی تو ہم نے ایران سے متعلق امریکہ کے موقف کی حمایت کی۔ وہاں پر ہماری آزادانہ خارجہ پالیسی متاثر ہوئی ہے۔“

میجر جنرل (سبکدوش) بی۔ سی۔ کھنڈوری، بی جے پی

”خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آج کی ایک قطبی دنیا میں صرف یونائیٹڈ اسٹیٹس ہی ایک عظیم طاقت ہے۔ لیکن ساتھ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خود ہندوستان ایک عالمی طاقت بلکہ عظیم طاقت کے روپ میں ابھر رہا ہے۔ لہذا ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر یونائیٹڈ اسٹیٹس سے ہمارے تعلقات اچھے ہونے چاہئیں، لیکن یہ ہماری سالمیت اور تحفظ کی قیمت پر نہ ہو۔“



سام، تمہارے پندرہ منٹ تقریباً ختم ہو چکے ہیں
تمہارے خیال میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کتنی مدت تک عظیم طاقت بنی رہے گی،
اگر آپ کو ایسی تصویر بنانی ہو تو آپ کس ملک کو انتظار کرتے ہوئے دکھائیں گے؟

کچھ لوگوں کی دلیل ہے کہ دانش مندی اسی حکمت
عملی میں ہے کہ بالادستی کے اس نظام نے جو مواقع
فراہم کیے ہیں ان کا فائدہ اٹھایا جائے۔ مثال کے طور پر
ابھرتی ہوئی معیشت کے لیے زیادہ سے زیادہ تجارت،
ٹیکنالوجی کا تبادلہ اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہے اور جو
بالادست کی مخالفت کے بجائے اس کے ساتھ کام کرنے
میں حاصل ہوں گے۔ لہذا یہی بہتر ہوگا کہ قیادت کی
مخالفت کرنے کے بجائے ان فوائد کو حاصل کیا جائے جو
بالادستی نظام میں رہنے اور عمل کرنے سے ملیں گے۔ اس
کو کارواں کی حکمت عملی کہتے ہیں (یا لگے کی پالیسی کہہ
سکتے ہیں)

ایک اور حکمت عملی جس پر ریاستیں عمل کر سکتی ہیں
'چھپنے یا آنکھ چھپولی کی پالیسی' ہے۔ اس سے مراد ہے کہ
جہاں تک ممکن ہو سکے قائد طاقت سے زیادہ سے زیادہ
بے تعلق رہا جائے۔ چین، روس اور یورپی یونین کے
ممالک اس طرز عمل کی بہترین مثال ہیں جو غیر ضروری

بالادستی (Hegemony) پر قابو کیسے

پایا جاسکتا ہے؟

یہ بالادستی آخر تک جاری رہے گی؟ ہم اس بالادستی
سے کب نجات پائیں گے؟ یہی ہمارے دور کے اہم
سوال ہیں۔ تاریخ ہمیں اس کا جواب ڈھونڈنے کے کچھ
دلفریب اشارے دیتی ہے۔ لیکن حال اور مستقبل میں کیا
ہوگا؟ بین الاقوامی سیاست میں کسی بھی ملک کی فوجی
مشقوں کو کم کرنے کے لیے رسمی طور سے بہت کم عناصر
کام کرتے ہیں۔ ایک ملک کی حکومت کی طرح کوئی
عالمی حکومت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم چھٹے باب میں
دیکھیں گے، بین الاقوامی تنظیم بین الاقوامی حکومت نہیں
ہیں۔ لہذا بین الاقوامی سیاست دراصل ”حکومت کے
بغیر سیاست“ ہے۔ ہاں کچھ اصول اور معیار ضرور موجود
ہیں وہ جنگ کو محدود تو کرتے ہیں لیکن جنگ سے منع
نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اس سے روکتے ہیں لیکن بہت کم
ملک ایسے ہوں گے جو اپنا تحفظ صرف بین الاقوامی
قانون کے حوالے کر دیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے
کہ جنگ اور بالادستی سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا؟

مختصراً ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ کہیں بھی کوئی
واحد طاقت ایسی نہیں ہے جو فوجی اعتبار سے ریاست
ہائے متحدہ امریکہ کے قریب بھی آ سکے۔ چین،
ہندوستان اور روس وہ ممالک ہیں جو مجموعی طور سے
ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کو چیلنج کرنے کی
صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان کے آپسی اختلافات ایسا
نہیں کرنے دیں گے۔ لہذا ریاست ہائے متحدہ امریکہ
کی بالادستی کے خلاف کوئی فوجی اتحاد بھی نہیں ہو سکتا۔

عصری عالمی سیاست

جیسی مضبوط تنظیمیں ایک طویل مدت تک یہ آنکھ مچولی کا کھیل کھیل سکتے ہیں ممکن نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امریکی بالادستی کی مزاحمت دوسری ریاستیں نہیں کر سکتیں، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آج کے دور میں وہ مزاحمت کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ یہ مزاحمت غیر ریاستی اداروں سے ابھرے گی۔ امریکی بالادستی کو اس مزاحمت کا سامنا معاشی اور تہذیبی محاذوں پر کرنا ہوگا۔ اور یہ مزاحمت غیر حکومتی تنظیموں (NGOs)، سماجی تحریکوں اور رائے عامہ کے ذریعے ہوگی۔ اور اس میں میڈیا کے حصے اور دانشور، فن کار اور ادیب شریک ہوں گے۔ اس عمل میں شامل یہ کردار قومی سرحدوں سے دور ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں تاکہ امریکی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے اور ان کی مزاحمت کی جائے۔ اس عمل میں خود امریکیوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

آپ نے شاید سنا ہوگا کہ اب ہم ایک عالمی گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور اس عالمی گاؤں میں ہم سب گاؤں کے چودھری کے پڑوسی ہیں۔ اگر چودھری کا برتاؤ برداشت کی حد سے باہر نکل جائے تو ہم گاؤں چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے کیونکہ ہماری دنیا تو یہی گاؤں ہے۔ تو صرف مزاحمت کا راستہ ہی باقی رہتا ہے۔

مجھے تو یہ سب کچھ جلن اور حسد کا نتیجہ لگتا ہے۔ آخر یہ ریاست ہائے متحدہ کی بالادستی میں کیا پریشانی ہے؟ صرف اس لیے کہ ہم وہاں پیدا نہیں ہوئے؟ یا کوئی اور بات ہے؟



طور سے منظر عام پر نہیں آتیں اور نہ ہی خواہواہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو مخالفت پر اکساتی ہیں۔ لیکن یہ طرز عمل دوسری صف کی بڑی طاقتوں کے لیے دیر پا نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے ممالک کے لیے یہ ایک دیر پا اور پُرکشش پالیسی ہو سکتی ہے لیکن یہ تصور کرنا کہ چین، ہندوستان اور روس جیسی بڑی طاقتیں یا یورپین یونین

حریے، مل جُل کر کریں

اقدام

□ طلباء کو دنیا کے سیاسی، جغرافیائی علاقوں میں ریاست ہائے متحدہ کے فائدے کے نقطہ نظر سے تقسیم کریں۔ (وسطی امریکہ، جنوبی امریکہ، افریقہ، یورپ، سابقہ سوویت یونین، جنوبی ایشیا، مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا) بعد میں آپ طلباء کو سرد جنگ کے بعد والے دور کے متنازع علاقوں میں، جس میں ریاست ہائے متحدہ ملوث تھا، تقسیم کر سکتے ہیں (جیسے افغانستان، عراق، اسرائیل، فلسطین یا کوسووا کوئی اور موجودہ متنازعہ جو یہ مضمون پڑھاتے وقت چل رہا ہو)

□ طلباء کو اوپر دیے ہوئے علاقوں کے نمبر کے اعتبار سے پھر سے برابر تعداد کے گروپ میں تقسیم کریں۔ ہر گروپ کو ان واقعات کا ایک ریکارڈ بنانا ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اس علاقے میں عمل دخل سے واقع ہوئے۔ یہ فائل اس علاقے میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فائدے کو مد نظر رکھے۔ اس کی کارروائیاں اور وہاں کے عوام کی اس کے متعلق رائے کو بھی ریکارڈ کرے۔ طلباء کو اجازت ہے کہ وہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل کی ہوئی تصویریں اور کارٹون کو حاصل کر کے پیش کر سکتے ہیں۔

□ ہر گروپ اپنی واقعات کی فائل کلاس کے سامنے پیش کرے گا۔

استاد کے لیے تجاویز:

□ طلباء کی تیار کردہ فائل کی معلومات کو پس منظر بنا کر، استاد ایک بار پھر سے ان علاقوں میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مداخلت پر تبصرہ کریں کہ آیا یہ مداخلت اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق تھی یا نہیں۔

□ طلباء کو علاقے کے مستقبل یا بیس سال پہلے کے تنازعہ پر غور کرنے کی دعوت دیجیے آخر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کب تک قائم رہے گی؟ اس علاقے میں دوسری اور کون سی طاقت ہے جو اس کی قیادت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟

بالادستی کے متعلق تاریخ ہمیں کیا سکھاتی ہے؟

توازن طاقت کے نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے، بالادستی (hegemony) بین الاقوامی معاملات میں ایک غیر معمولی صورت حال ہے۔ اور اس کا سبب سیدھا سادا ہے۔ کسی عالمی حکومت کی عدم موجودگی میں، ہر ریاست اپنے تحفظ، بلکہ خراب حالات میں اپنی بقا کے لیے خود ذمہ دار ہے۔ لہذا تمام ریاستیں بین الاقوامی سیاسی نظام میں طاقت کی تقسیم سے واقف ہیں، اور عام طور پر وہ کسی واحد ریاست کو اتنا طاقت ور بننے کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ دوسری ریاستوں کے وجود کے لیے ایک خطرہ بن جائے۔

بین الاقوامی سیاست میں توازن طاقت کا نظریہ، جو اوپر بیان کیا گیا ہے، تاریخ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ 1648 وہ سال ہے جب ایک مقتدر اور مخصوص متعین حدود رکھنے والی ریاست عالمی سیاست میں ایک اہم کردار کی حیثیت سے ظاہر ہوئی۔ اس کے ساڑھے تین سو سال کے بعد تک صرف دو مثالیں ایسی ملتی ہیں جب کوئی ایک ریاست ایسا غلبہ حاصل کرے، جو آج کی دنیا میں امریکہ کا ہے۔ پہلی مثال یورپی براعظم کی سیاست کے پس منظر میں 1660 سے لے کر 1713 تک کے فرانس کی ہے۔ اور بالادستی کی دوسری مثال برطانیہ ہے جو 1860 سے 1910 تک دنیا پر بحری حکمرانی کرتا تھا۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ بالادستی اپنے نقطہ عروج پر بہت مضبوط اور ناقابل شکست دکھائی دیتی ہے لیکن یہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ اس کے برعکس توازن طاقت کی پالیسی وقتاً فوقتاً قائد یا سردار کی طاقت کم کرتی رہتی ہے۔ 1660 میں شہنشاہ لوئی چہارم کے زمانے میں فرانس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن 1713 میں برطانیہ، بیس برگ آسٹریا اور روس فرانس کی طاقت کو چیلنج کر رہے تھے۔ 1860 میں، جو کہ وکٹورین عہد کا نقطہ عروج ہے، پر امن برطانیہ ہمیشہ کے لیے محفوظ نظر آتا تھا۔ 1910 میں یہ واضح ہو گیا تھا کہ جرمنی، جاپان اور امریکہ، برطانوی طاقت کے دعوے دار بن کر ابھر رہے ہیں۔ تو یہ ممکن ہے آج سے بیس سال بعد کوئی اور عظیم طاقت، یا عظیم طاقتوں کا ایک اتحاد وجود میں آئے اور اسی وقت امریکہ کی صلاحیتوں اور اہلیت کو زنگ لگ رہا ہو۔

(کرسٹوفر لیون کے ایک مضمون پر مبنی: ”ایک قطبیت کا فریب نظر: نئی عظیم طاقتیں کیوں ابھریں گی“)

1- مندرجہ ذیل میں سے کون سا بیان بالادستی کے بارے میں غلط ہے؟

(a) اس لفظ سے مراد ایک ریاست کا تسلط اور غلبہ ہے۔

(b) یہ قدیم یونان میں Athens کے غلبہ کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

(c) وہ ریاست جو بالادستی کر رہی ہے بے پناہ فوجی قوت کی مالک ہوگی۔

(d) بالادست کی جگہ متعین اور جامد ہے۔ ایک بار ہونے کا مطلب ہمیشہ کے لیے قائد ہونا ہے۔

2- موجودہ عالمی نظام کے بارے میں نیچے دیے ہوئے جملوں میں کون سا غلط ہے؟

(a) عالمی حکومت کی عدم موجودگی کسی ریاست کے طرز عمل کو منضبط بنا سکتی ہے۔

(b) عالمی معاملات میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

- (c) ریاستیں ایک دوسرے کے خلاف طاقت کا استعمال کر رہی ہیں۔
- (d) وہ ریاستیں جو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتی ہیں، اقوام متحدہ ان کو سخت سزا دیتی ہے۔
- 3- عراق کو آزاد کرانے کی مہم (Operation Iraqi Freedom) کے متعلق کون سا بیان غلط ہے؟
- (a) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی زیر قیادت چالیس سے زیادہ ملکوں نے عراق پر حملے کے لیے ہم خیال ملکوں کا ایک اتحاد بنایا۔
- (b) عراق پر حملے کا سبب یہ بتایا گیا تھا کہ اس کو عظیم تباہی کے ہتھیار (WMD) بنانے سے روکا جاسکے۔
- (c) یہ اقدام اقوام متحدہ کی منظوری کے بعد کیا گیا۔
- (d) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے فوجی اتحاد کو عراقی افواج سے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔
- 4- اس باب میں جن تین قسم کی بالادستی کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی ایک مثال دیں۔ کتاب میں دی ہوئی مثالوں کو دوبارہ نہ پیش کیجیے۔
- 5- وہ کون سے تین پہلو ہیں جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا طرز عمل سرد جنگ میں ایک عظیم طاقت کی حیثیت سے اور اس کے بعد دنیا میں اس کے غلبہ سے مختلف ہے
- 6- مندرجہ ذیل کی جوڑی بنائیے
- (i) لامحدود تحقیق کی مہم (Operation Infinite Research)
- (ii) پائدار آزادی کی مہم (Operation Enduring Freedom)
- (iii) مہم طوفان ریگستان (Operation Desert Storm)
- (iv) عراق کی آزادی کی مہم (Operation Iraq Freedom)
- (a) القاعدہ اور طالبان کے خلاف جنگ
- (b) ہم خیالوں کا اتحاد
- (c) سوڈان پر میزائل کا حملہ
- (d) پہلی خلیجی جنگ
- 7- آج کل امریکی بالادستی پر کون سے دباؤ ہیں؟ آپ کے خیال میں ان میں سے کون مستقبل میں زیادہ اہم ہوگا؟
- 8- اس باب میں ہندوستان۔ امریکہ کے مابین ایک معاہدہ پر لوک سبھا میں ہوئی بحث کے تینوں اقتباسات کو پڑھیے اور ان میں سے کسی ایک نقطہ نظر کو ہند۔ امریکی تعلقات کی مخصوص صورت حال کا دفاع کرتے ہوئے مضمون کی شکل میں پیش کیجیے۔
- 9- ”اگر بڑی اور با وسائل ریاستیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بالادستی کی مزاحمت نہیں کر سکتیں تو چھوٹے اور کمزور غیر ریاستی اداروں سے بھی یہ توقع فضول ہے“۔ اس قول کا تجزیہ کیجیے اور اپنی رائے پیش کیجیے۔